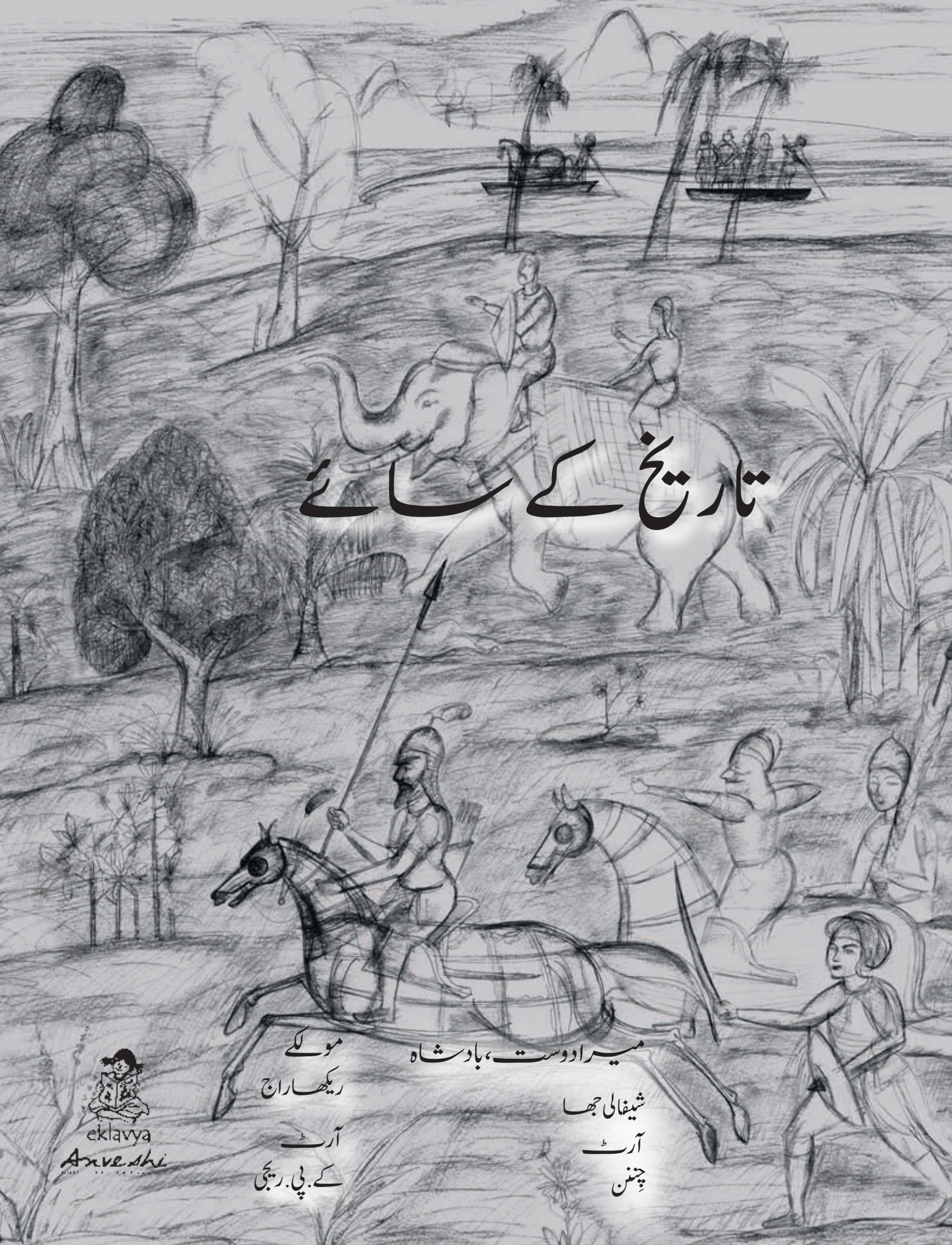

تاریخ کے سائے

میرا دوست، بادشاہ

شیفالی جھا

آرٹ

چِنّن

مولکے

ریکھا راج

آرٹ

کے. پی. ریجی

eklavya
Anveshi

میرا دوست، بادشاہ

شیفالی جھا

آرٹ

چِننن

ترجمہ

شیفالی جھا

سیریز ایڈیٹر

دیپتا آچار

اُردو ایڈیٹرز

اسماء رشید اور ایم. اے. معید

eklavya

Anveshi

''اچھا تو یہ ہے جناب کا ضروری ہوم ورک!'' محمد علی مصلیار نے اپنی اکلوتی اولاد کی کاپی میں جھانکتے ہوئے چٹکی لی۔

عادل اپنی تاریخ کی کاپی میں تصویریں بنانے میں اتنا مشغول تھا کہ ان کی آواز سنتے ہی اسکی پنسل ہاتھ سے چھوٹ کر ایک طرف جا گری۔''اُپّا! آپ نے تو میری جان ہی نکال دی! آپ واپس کب آئے؟ میں نے تو سنا بھی نہیں۔ وہ بات ایسی ہوئی کہ میں بیٹھا تو ہوم ورک کرنے کے ارادہ سے تھا، پھر ذرا بھوک نے ستانا شروع کیا تو سوچا آپ کے آنے تک یوں ہی کچھ...بس....''

''ارے، اس میں گھبرانے کی کون سی بات ہے؟ تصویر بری نہیں ہے تمہاری۔ اسے مکمل تو کرلو۔ چلو یہ بھی ٹھیک ہے۔ اور کچھ نہیں تو مصور ہی بن جانا، کیوں؟'' اُپّا نے کچھ ہنس کر جواب دیا ۔

''خیر کھانا تیار ہے، بس گرم کرنے کی دیر ہے۔ ویسے یہ ڈراونی تصویر ہے کس کی؟'' عادل کی کاپی میں ایک گھنی مونچھوں والے آدمی کی تصویر تھی، جس کی صرف ایک آنکھ معلوم ہوتی تھی۔ تصویر کے اوپر انکے بیٹے کے نقش کئے کچھ جملہ تھے، جن کا موضوع صاف الفاظ میں لکھا تھا، ''پانی پت کی پہلی جنگ: ۱۵۲۶۔''

''یہ رانا سانگا کی تصویر ہے، اُپّا۔ آپ کو معلوم ہوگا ...''

''کیوں،معلوم کیوں ہوگا؟ ہمارے پڑوسی ہیں حضرت؟ یا آپ کی جیسّی آنٹی کے کوئی جاننے والے ہوں شاید؟ ''علی مصلیار نے پھر چٹکی لی۔

''جیسّی ٹیچر اُپّا،انھو ں نے اسکول میں آنٹی کہنے سے سخت منع کیا ہے۔ابھی تک پر پابندی ہے، ابھی کل ہی تو اس نے غلطی سے انہیں ممی کہہ دیا، ہم سب خوب ہنسے، بیچارہ اسکے کان تک شرم سے سرخ ہوگئے تھے۔ کیا منظرتھا۔'' عادل اپنے دوست کے سرخ کان یاد کرکے پھر مسکرا اٹھا۔ ''لیکن اُپّا ، آپ رانا سانگا سے ناواقف کیسے ہوسکتے ہیں؟ دیکھئے آپ کی تاریخی معلومات بھی کمزور ہے اس لئے تو میرے بھی ٹسٹ میں نمبر کم آتے ہیں۔''

''ہاں میاں، بجا فرماتے ہیں آپ، سارا قصور تو میرا ہی ہے! کیا کریں ۔آپ کی جیسّی آنٹی جیسا پڑھانے والا ہمیں کب نصیب ہوا؟ اور پھر ہم ہی تو ہیں جو ہوم ورک کرتے کرتے تصویریں بنا لیتے ہیں۔'' علی مصلیار نے اپنے بچے کو پیار سے چھیڑا۔ عادل کو کوئی جواب نہ سوجھا تو اُس نے چُپ رہنا بہتر سمجھا ۔مرغی کا سالن اب گرم ہوچکا تھا۔ ایک آخری بار اس میں چمچ چلاتے ہوئے اُس کے اُپّا نے اپنے بارہ سالہ لختِ جگر کی طرف نظر ڈالی، اور اسے اپنی ہی دنیا میں کھویا ہوا پایا۔

وہ اس کے اس مزاج سے بہ خوبی واقف تھے۔ عادل پانچ سال کا تھا جب آمنہ نے وفات پائی، وہ دن تھا اور آج کا دن ہے، باپ نے بیٹے میں دوست، ہم درد اور فرزند، سبھی کچھ ڈھونڈ لیا تھا ۔ ان سے بہتر اسے کون جان سکتا تھا؟ اسے کس طرح کا کھانا پسند ہے،کب اور کیوں وہ اداس ہوتا ہے، اس کی اداسی دور کیسے کی جائے- یہ ساری باتیں اسکے شفیق باپ کو معلوم تھیں۔ اس وقت بھی وہ کچھ پریشان سا تھا اور وہ اُس سے بات چھیڑنے ہی والے تھے کہ عادل نے انہیں چونکا دیا۔

''اُبّا میں اگر اگلے ہفتے اسکول نہ جاؤں تو؟'' اس نے دھیرے سے پوچھا۔

''کیوں میاں، اسکول تو تمہیں بہت اچھا لگتا ہے؟''

''اِس میں تو کوئی شک نہیں...لیکن...یہ ...یہ تاریخ ....''

''ارے بھائی یہ بھی کوئی پریشانی کی بات ہے؟ ایک ٹسٹ تھا۔ اگلی بار اور اچھی تیاری کرنا، انشاء اللہ ضرور بہتر نمبر لاؤ گے۔''

''بات وہ نہیں اُبّا... بات یہ ہے کہ مجھے تاریخ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ حساب مجھے پسند ہے، سائنس بھی اور اب تو مجھے انگریزی بھی سمجھ آنے لگی ہے...بس ایک یہ کم بخت تاریخ ہے....''

''آہستہ کھانا، سالن گرم ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی تم نے کہا کہ جیسّی آنٹی تمہاری سب سے پسندیدہ ٹیچر ہیں۔ کلاس میں کہانیوں کی شکل میں تاریخ کے واقعات بیان کرتی ہیں، اس لئے پچھلے سال سے کہیں دلچسپ ہوگئی ہے تاریخ؟''

''یہ بات تو ہے،اُبّا انکا تو انداز ہی نرالا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ موقع پہ موجود ہیں اور سب کچھ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہورہا ہو، چاہے سو ہزار سال پہلے کی بات ہو۔ لیکن قصور ان کا نہیں، بس میں ہی تاریخ کو سمجھ نہیں پاتا ۔ کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بہت اچھا پڑھاتی ہیں، لیکن نہ جانے کیوں مجھے لگتا ہے جیسے ...'' عادل رک گیا، جیسے اپنی بات کے لئے الفاظ تلاش کررہا ہو۔

اچانک نہ جانے اسے کیا سوجھی وہ بول اٹھا،" اُپّا تاریخ مجھے پسند نہیں کرتی!"

اُپّا نے پیار سے اسکے بال سہلاتے ہوئے کہا "ایّو، تاریخ پہ اتنا سنگین الزام! اس مقدمہ سے پہلے ضروری ہے کہ ہم کھانا کھالیں، تاریخ کا فیصلہ ٹھنڈا کھانا کھاکر تو کیا نہیں جاسکتا۔ پھر بھی میں کہتا ہوں جیسے انگریزی پہ فتح پائی، ویسے ہی مجھے پورا یقین ہے کہ تاریخ کا قلعہ بھی جیت لینگے۔ اب مجھے یہ بتایئے اگلے ہفتے کے ٹسٹ کا موضوع کیا ہے؟"

"مغلوں کی آمد۔ شہنشاہ بابر۔ اُپّا، وہ کیرل آتے تو کیا ہی اچھا ہوتا؟ جیسّی ٹیچر نے ہمیں بتایا کہ شمالی ہند بابر کو قطعی پسندنہ تھا ۔ ایک تو گرمی، اس پہ دھول اور خشکی۔ کہیں باغ نہ پھول۔"

"اچھا؟ یہ بابر تو بڑا عقل مند تھا بھئی۔" علی مصلیار نے آنکھیں مٹکائی، اور بدلے میں عادل کی ہنسی پائی۔"بات تو تمہاری صحیح ہے، یہاں چنگناشیری میں کتنا سکون ہے ۔ اچھا کیا، تم نے یاد دلایا-میرے پاس 'بابر نامہ' کا انگریزی میں ترجمہ ہے۔یہیں کسی الماری میں ہوگا ۔میں نے کبھی غورتو کیا نہیں، لیکن اس میں تصاویر بڑ ی کمال کی ہیں۔ تمہیں ضرور پسند آئیں گی۔"

"جی، آپ کہتے ہیں تو..." عادل اندر ہی اندر ذرا گھبرایا۔ تصاویر ہوں بھی تو کیا، ایک اور موٹی تاریخ کی کتاب پڑھنے کا اس کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ مگر اُپّا کی بات جاری تھی۔ "تاریخ کا تو مجھے اتنا علم نہیں، لیکن تمہاری جیسّی آنٹی نے تمہیں شہنشاہ بابر کے متعلق سب سے مشہور کہانی سنائی ہے؟ یہ ان کی وفات کا قصّہ ہے۔"

"جی نہیں، ابھی تک اس کا ذکر نہیں آیا۔ ضرور کسی جنگ کاقصّہ ہوگا؟"

"نہیں، ایک باپ کی شفقت اور محبت کا قصہ ہے۔ شہزادہ ہمایوں ایک بار ایسا بیمار پڑا کہ نہ کسی حکیم کا نسخہ کام آیا نہ کسی فقیر کی دعا ۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ شہزادہ کی جان بچے توکیسے۔ پھر کسی اولیاء نے شہنشاہ سے کہا، 'اپنی سب سے پیاری چیز اللہ کو نظر کرکے دیکھئے شاید دعا قبول ہوجائے۔'بابر نے فوراً بات سمجھ لی۔ اب سب کے دل میں یہی سوال تھا : بادشاہ کی سب سے عزیز شئے کیا تھی؟ کیا وہ آگرہ کا وہ نایاب ہیرا نظر کردیں گے یا پھرہندوستان کا تخت و تاج؟"

''پھر تو تخت ہی نذرانہ ہوسکتا ہے، ایک ہیرے سے کہیں زیادہ قیمت تو پوری سلطنت کی ہے، نہیں اُپّا؟'' عادل بول اٹھا۔

''بھئی، ہم تم بھلے ایسا سوچیں لیکن بابر کا نام یوں ہی مشہور نہیں۔ اس نے عزیز بیٹے کی جان کے بدلے اپنی جان اللہ کی نظر کردی۔'' عادل کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ''بیمار بیٹے کے پلنگ کے تین پھیرے لگاتے ہوئے خدا سے گڑگڑاکر اپنی جان صدقے میں پیش کی۔اور پھر اس کے بعد جیسے جیسے ہمایوں کی صحت اچھی ہوئی بادشاہ کامزاج بگڑتا گیا۔ دعا قبول ہوئی، کچھ ہی مہینوں میں باپ کا انتقال ہوگیا اور بیٹا شہنشاہ بنا۔''

عادل کی خاموشی سے ظاہر تھا کہ کہانی کا اُس پر گہرا اثر ہوا تھا۔گو کہ اُس کے چہرے سے اس بات کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔

علی مصلیار نے کچھ دیر بعد خاموشی توڑتے ہوئے اپنے بیٹے سے کہا، ''چلئے میاں، بہت ہوئے قصّے، اب کھانا ختم کیجئے۔ اور ذرا کتابوں کی طرف بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔ ''

''ہاں، ہاں...لیکن اُپّا میری ایک شرط ہے۔ اگر میں اس ٹسٹ میں بھی اچھے نمبر نہ لایا تو آپ مجھے گھر میں پڑھا دیں گے۔ آپ کی کہانیاں بھی کتنی دلچسپ ہیں!'' عادل اپنی پلیٹ کا آخری مرغی کا ٹکڑا صاف کرتے ہوئے بولا۔

''ضرور! پھر اپنی کاپی میں آپ میرا عجیب وغریب خاکہ بناکر دوستوں کا دل بہلائیں گے۔'' اُپّا نے عادل کو چھیڑا، پھر ذرا سنجیدہ ہوکر بولے،''تم ایسا کیوں نہیں کرتے، ابھی موسم بہت خوشگوار ہے، ذرا باہر ٹہل آؤ۔ ایبی کے گھر تک بھی جاسکتے ہو۔ ایک آدھ گھنٹہ کھیل لوگے یا ٹہل آؤ گے تو تازگی محسوس ہوگی۔اس کے بعد پڑھ لینا اپنے ٹسٹ کے لئے۔ کیا خیال ہے؟''

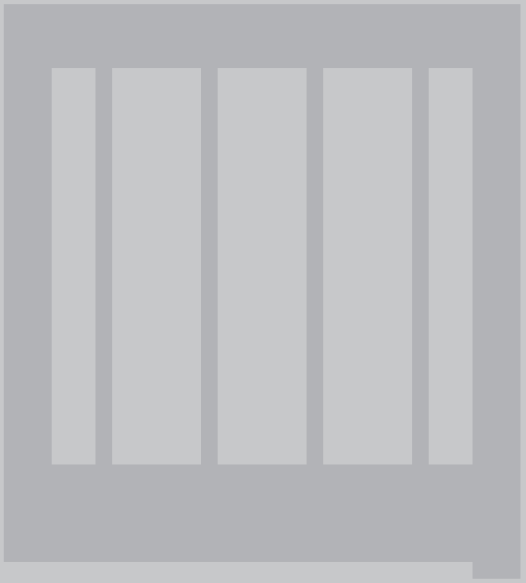

نیکی اور پوچھ پوچھ! عادل باہر نکلا تو ہوا میں نمی تھی۔ بارش کے آثار تھے۔ آدھے گھنٹے میں روزآنہ کی طرح گھر کی بجلی جانے والی تھی۔ اِس سے پہلے اُسے واپس ہوجانا تھا۔وہ اپنی کاپی اور پنسل لئے مسجد کی طرف چل دیا۔ اس وقت وہاں شاید کوئی ایک یا دو عشاء کے نمازی ہوں لیکن پھر بھی وہ صحن کے پیپل کے نیچے کچھ دیر بیٹھ تو سکتا ہی تھا۔ آج ابی کے گھر جانے کا اس کا من نہ تھا۔ اسے کل کی کلاس کا پھر خیال آیا۔

کیا سماں تھا! اس نے جیسّی آنٹی کی یوں ہی تعریف نہیں کی تھی کل کے سبق میں انہوں نے جس طرح جنگ کا حال بیان کیا، معلوم ہوتا تھا ساری کلاس جیسے جنگ کے میدان میں موجود تھی۔ جیسّی آنٹی/ ٹیچر کا لہجہ، کمرے کے ایک کونے سے دوسرے تک جاکر ہر طالب سے مخاطب ہوکر کہانی سنانا، وہ آواز کا اتار چڑھاؤ...جیسے رانا سانگا اوربابرکی جنگ اسی کمرے میں چل رہی ہو۔ان میں سے ایک ایک بچہ رانا کی جیت کی اُمید کر رہا تھا۔ لیکن جیت تو بابر کی ہوئی۔

چلتے چلتے عادل کو جیسّی ٹیچر کی وہ نظر یاد آئی جو اس لمحہ میں اس پر آکر ٹک گئی تھی۔ یہ ایک عجیب سا لمحہ تھا، ویسے تو وہ ہر طالبِ علم کی طرف توجہ دیتیں اور عادل کو بہت چاہتی بھی تھیں۔ وہ ابی کا سب سے پکّا دوست تھا۔ اکثر ان کے گھر آنا جانا ہوتا اورکلاس میں وہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا۔ لیکن کل نہ جانے کیا ہوا جیسے بابر کی جیت میں بھی ہارہو، اور رانا سانگا ہار کے جیت گئے ہوں۔ نہیں اس نظر میں کچھ اور بھی تھا، مانو خود عادل اس ہار نما جیت کاحصہ دار ہو۔ شایداس لئے کہ ...پوری کلاس میں ایک وہی مسلمان بچہ تھا ...لیکن یہ وجہ تونہیں ہوسکتی۔ یا پھر شاید... عادل کی سمجھ میں نہیں آرہاتھا، پر اب وہ کلاس سے ہی نہیں اسکول سے بھی دور رہنا چاہتا تھا۔

ان ہی خیالوں نے عادل کو کل سے پریشان کیا ہوا تھا۔ اب وہ اُپّا کو کیا سمجھاتا؟ وہ خود نہیں سمجھ پارہا تھا کہ بات آخر ہے کیا، کچھ ہے بھی یا نہیں۔ عادل کے زیادہ تر دوست سرکاری اسکول جاتے تھے جو گھر سے زیادہ نزدیک تھا پر عادل کی اُن سے ملاقات نہیں ہوتی تھی ۔ اُسے اس اسکول میں اس لیے جانا تھا کیونکہ اُس کا سب سے اچھا دوست ایبی اس اسکول میں ہی جاتا تھا۔ اور اب تک اس اسکول میں اُسے کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی تھی، اور یہ واقعہ بھی کوئی خاص تو نہیں تھا۔شاید اس کے دماغ کا وہم ہو... اُپّا کی کہانی سے کچھ سکون پہنچا تھا۔ ایک بادشاہ جو اپنی اولاد کے لئے جان دے وہ تو واقعی....

''اے بچّے،یہاں سے مسجد کتنے فاصلہ پر ہے؟مجھے پینے اور ہاتھ منہ دھونے کے لیے کچھ پانی چاہیے تھا۔'' اپنے قریب سے اچانک اتنی بھاری آواز سن کے عادل بری طرح چونک گیا۔ اُس اجنبی آواز کے مالک کو دیکھ کر تو اسے اورحیرت ہوئی۔

پہلا خیال اسے یہ آیا کہ اس اجنبی کو گھوڑے پر سوار ہوناچاہئے، نہ جانے اس میں ایسی کیا بات تھی کہ عادل نے ایسا سوچا۔ شاید کسی ڈرامے یا فلم کی شوٹنگ سے چلا آرہا ہو...'الف لیلیٰ' کی داستان کا کوئی کردار ہی تو معلوم ہوتا تھا۔ یہ ریشم کا سرخ چوغہ، اس پر کمربند، سرپہ پگڑی، وہ بھی شاید ریشم کی اور بہت خوب صورت جوتے۔ وہ اکیلا ہی تھا، لیکن اس کی شخصیت کا رعب ایسا تھا کہ عادل نے ایسی شان کبھی دیکھی نہ تھی۔ پتلی سی داڑھی اور مونچھ،آنکھیں چھوٹی، شاید چین سے آیا ہو؟ لیکن نہیں، شاید...اچانک اُسے خیال آیا کہ اجنبی نے اس سے سوال کیا تھا جس کا جواب دینے کے بجائے وہ اسے گھورے جا رہا تھا۔

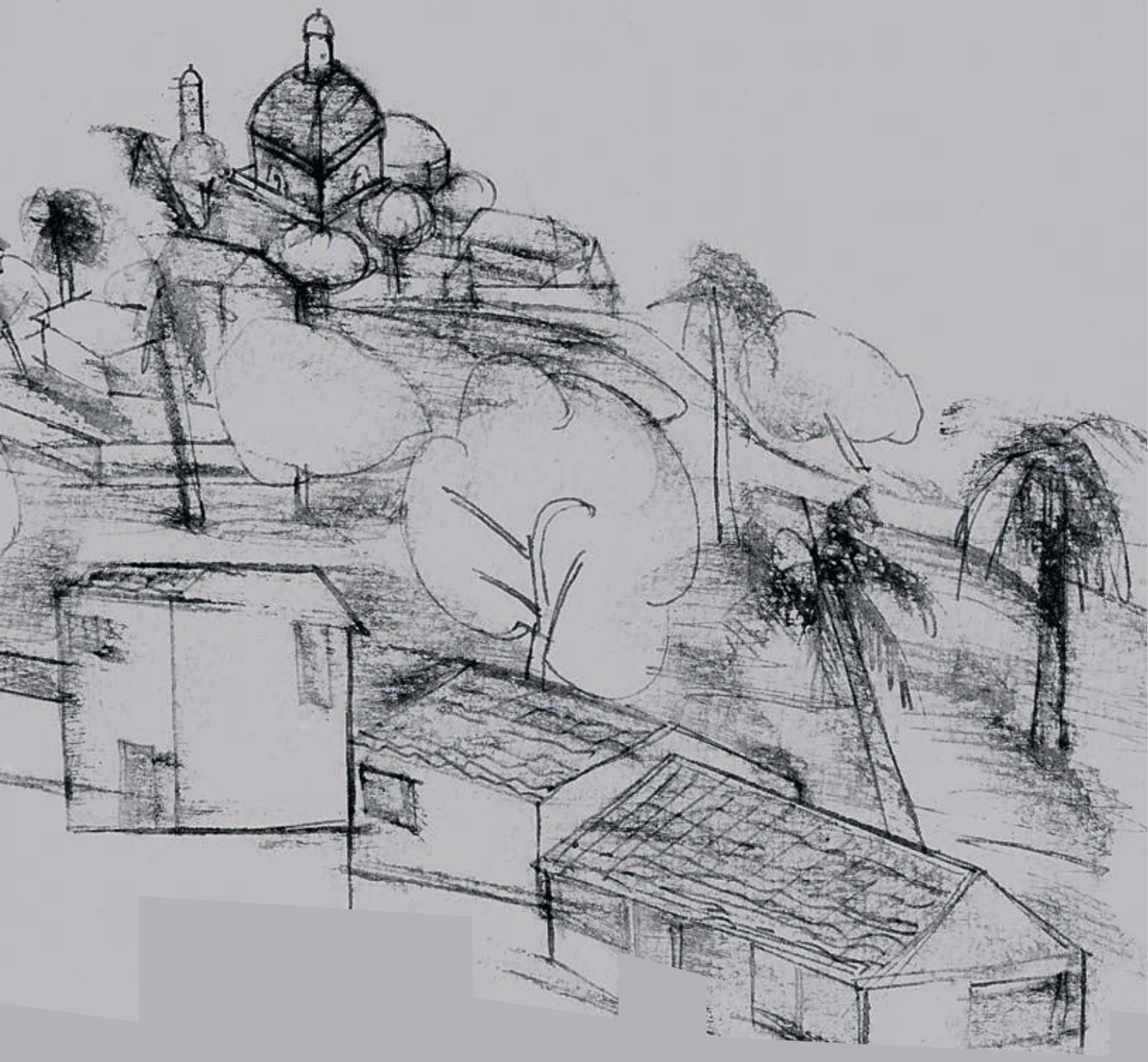

''جی، مسجد کوئی دور نہیں، میں لے چلتا ہوں آپ کو۔ مجھے بھی وہیں جانا ہے۔ لیکن ...آپ کی اجازت ہو تو ایک سوال پوچھوں؟'' اجنبی نے ہاتھ اٹھاکر شاہانہ انداز سے حامی بھری تو عادل کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کس طرح اپنا سوال پوچھے۔

''آپ... آپ کا وطن کون سا ہے؟ یہاں کے تو نہیں لگتے آپ....'' سوال تو کئی تھے لیکن فی الحال یہ کافی تھا۔

''بیشک، یہاں کا تو نہیں۔ کئی ہزار کوس کا سفر کرچکا ہوں۔ ہندوستان سے آمد ہوئی ۔ آگرہ سے تو واقف ہوگا تو؟''

عادل کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ بھلا یہ کوئی پوچھنے والی بات ہے؟ اور پھر...آگرہ کو کون نہیں جانتا؟ تاج محل جو ہے وہاں۔

''لیکن میں سمجھا نہیں...آپ ہندوستان سے آئے ہیں؟ وہ تو... میرا مطلب ہے، آپ اب بھی ہندوستان میں ہیں!''

اب اس اجنبی کی سمجھ جواب دے گئی تھی۔ ''کیا؟ یہاں تو کچھ بھی ہندوستان جیسا نہیں۔ نہ وہ گرمی نہ گرد، زبان نہ لوگ۔ کیادلکش موسم ہے ...لیکن بارش کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے۔ شہر بھی نظر نہیں آتے ۔ ایک میرا ملک تھا، جہاں میرے آباواجداد نے پشت درپشت حکومت کی۔ وہ کوہ اور باغ، وہ آب وہوا ۔بہشت سے کم خیال نہ کر۔'' عادل کا چہرہ دیکھ کے اجنبی رکا۔ اتنا تو اس نے سمجھ لیا کہ بچہ کسی الجھن میں مبتلا ہے اور اس کی طرف کچھ حیرت اور کچھ شبہ سے دیکھ رہا ہے۔ اس نے پھر کہا،''بہر حال، توکس سوچ میں تھا؟ مجھے تو یقین ہو چلا تھا کہ شاید نشے میں....'' پھر ایک بار عادل کی صورت دیکھ کر وہ خاموش ہوگیا۔

عادل نے آخری بات نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا، ''جی کچھ خاص نہیں، بس یہ تاریخ کی پڑھائی کا امتحان ہے...ایسا نہیں کہ مجھے تاریخ سے دلچسپی نہیں بس کل یہ واقعہ ....'' اور عادل نے اپنی کہانی اس اجنبی کو سُنا دی، جس سے وہ ابھی ابھی ملا تھا۔

''نہ جانے کیا بات ہے، بس جس نظر سے انہوں نے مجھے دیکھا... اب نہ تاریخ پڑھنے کا دل کرتا ہے نہ اسکول جانے کا۔شاید کوئی اتنی بڑی بات بھی نہ ہو....''

”واقعی یہ بڑی بات نہیں۔ میری عمر بارہ برس کی تھی...جب میں بادشاہ بنا۔ اور پھر...جنگ ،غربت، رفیقوں سے جدا اور دشمن سے قریب۔ میں نے اپنا سب حال لکھ چھوڑا، کیوں کہ تاریخ بینی سے کہیں زیادہ مشکل ہے تاریخ سازی۔ اتنا حرب، صرف اپنی ملکیت کے لئے: سمرقند، شہر نگاراں، ہمارا شہر،نسل تیمور کا ورثہ اور میرا حقیقی وطن... اب وہ تھیں اصل مشکلات۔“

اس بات پر عادل کو رونا بھی آیا اور جھنجھلاہٹ بھی ہوئی۔ یہ فلمی لباس میں لپٹا ہوا عجیب وغریب شخص اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے؟

اس سے رہا نہ گیا۔ طنز کرتے ہوئے اس نے اجنبی کو مخاطب کیا، ''جی جہاں پناہ، مجھے اپنی چھوٹی ادنی سی مشکل آپ سے بیان ہی نہیں کرنی چاہئے تھی۔ آپ ٹھہرے بادشاہ، جنگ لڑنا آپ کا کام ہے۔ باقی ان کی ہرخصوصیت یاد کرنا ہم جیسے بے چارے طالب علموں کا کام ہے ۔ آپ سے ہمدردی کی امید کی، بڑی بھول ہوئی۔'' اتنا کہتے کہتے عادل رو پڑا۔

''ارے ارے...بچّہ...تو روتا کیوں ہے؟ خیر میں بھی کئی دفعہ رویا، ایسا برا وقت بھی آتا ہے جب رونے کے سوا... اچھا اب میں اپنا بیان ختم کرتا ہوں۔ یہ دیکھ مسجد سامنے ہے۔''

عادل کو تھوڑی تسلی ہوئی۔ ''جی ہاں، یہ رہی ہماری مسجد۔ تو میں یہاں بیٹھتا ہوں، آپ اس طرف وضو کرلیں۔'' دل ہی دل میں عادل نے اجنبی کا نام بادشاہ رکھ لیا تھا۔ آخر اس کی باتیں اور تیور شاہانہ تھے، اب چاہے وہ کسی ڈرامے یا فلم میں ہی بادشاہ رہا ہو۔ جب تک وہ نماز پڑھ رہا تھا، عادل نے اپنی کاپی کھول کر کچھ لکھنے کی کوشش کی۔ کاپی ٹھیک اس صفحہ پہ کھلی تھی جس پر اس نے رانا کی تصویر بنائی تھی۔

''اوہ، یہ تو چتوڑ کے رانا سانگا کی تصویر ہے!'' بادشاہ کاپی میں جھانک کر بولا۔

''آپ نے پہچان لیا! میرے اُبّا کو تو معلوم ہی نہیں ہوا۔''

''تصویر اچھی ہے: ہو بہ ہو اس سے ملتی ہے۔ واہ، پرانے دوست اور پرانے دشمن چھوٹتے نہیں....'' وہ مسکرایا۔

عادل کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، لیکن اس کے ذہن میں ایک اور بات آئی۔

''کیا میں آپ کی ایک تصویر بناسکتا ہوں؟ ذرا بھی وقت نہیں لگے گا۔'' اس نے بادشاہ سے اجازت چاہی۔

''ضرور! لیکن اس وقت تجھے بدلے میں دینے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں۔''

''اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تو بس اُبّا اور اپنے دوستوں کو دکھانے کے لئے یہ بنارہا ہوں۔ کوئی بہت بڑا مصور تو میں ہوں نہیں۔'' عادل فوراً پنسل چلانے لگا۔

''خیر بات تاریخ اور تیرے امتحان کی چلی تھی ۔ میری نصیحت تو یہ ہے:اللہ پر اعتقاد کر۔ تجھے ابھی معلوم نہ ہو شاید، لیکن ایمان بیش ترین...سب سے بڑھ کر ہے۔''

عادل نے ایک لمحہ سر اٹھاکر بادشاہ کو دیکھا۔''ابّا بھی یہی کہا کرتے ہیں...مگر'' بادشاہ پھر مسکرایا۔

''کیا تاریخ خود شاہد نہیں؟کھانوہ کی جنگ کو ہی لے۔ ایک لاکھ کالشکراور دوسری طرف اسے شکست دینے والے کل دس پندرہ ہزار سپاہی۔ کیا یہ ایک معجزہ نہیں؟''

یہ سن کر عادل کو اس سوال کی یاد آگئی جو کل سے اسے ستارہا تھا۔ بادشاہ کی بات سن کر اس نے فیصلہ کیا کہ اب اس سے پوچھ لے گا۔

''کیا ...کیا بابر...رانا سانگا سے زیادہ بہادر تھا؟'' عادل نے چھوٹی سی آواز میں پوچھا، جیسے جواب اسےمعلوم ہو۔

بادشاہ ہنس پڑا۔''بہادر! یہ کیسا سوال ہے؟ دونوں بہادر تھے! اس لئے تو غضب کی جنگ ہوئی! جنگ کے میدان میں کیا ہوگا، یہ کوئی نہیں جانتا۔ صرف اللہ جانتا ہے۔ رانا سانگا، ہندوستان کا دوسرا بڑا راجہ تھا، اس کی شجاعت ملک میں مشہور تھی۔''

”دوسری طرف بادشاہ بابر کی فوج، وطن سے دور، اجنبی ملک، غربت زدہ، بیمار، بے یارومددگار اپنے بادشاہ کے وفادار، لیکن کچھ خوف زدہ، کچھ پریشان! ہاں، یہ بات درست ہے کہ ان جیسے دلیر اور بہادر سپاہی جہاں میں کہیں نہ ملتے... مختصر یہ کہ دونوں طرف جواں مردی اور شجاعت تھی، جنگ وسلطنت کی تمنا بھی تھی اور جذبہ بھی، لیکن کامیابی اگر کوئی دے سکتا ہے، تو وہ خدا ہے۔ جب سب کوشش، بصد محنت ہوجائے تو پھر اس پر چھوڑدینا ہی عقلمندی ہے۔ اب سمجھا تو، کون کس قدر بہادر تھا۔ یہ سوال ہر جنگ میں بے معنی ہوجاتا ہے، جو کھانوہ کے حالات میں لڑی جائے۔ سوال تو یہ ہے کہ اس طرح کے سوال کہاں سے آتے ہیں اورکس مقصد سے؟“

اس بیچ عادل کا دھیان تصویر پر بالکل نہ رہا۔ جب بادشاہ نے سوال کئے تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے دل کا بوجھ یکایک ہلکا ہوگیا ہو۔”آپ نے صحیح فرمایا... کہاں سے آتے ہیں اس طرح کے بے معنی سوال؟“ اس نے اپنی تصویر پھر بنانی شروع کی۔

”اب سارے سوالوں کے جواب مجھ سے ہی لے گا؟ لا، اب میں دیکھوں تیری مصوری کا کمال۔“ عادل نے تھوڑا وقت اور لیا اور کاپی بادشاہ کی طرف بڑھا دی۔

”خوب ہے، لیکن میری آنکھیں کچھ چھوٹی ہیں، اور داڑھی کچھ لمبی... خیر محنت کا نتیجہ ہے اور میری ملک گیری کا حاصل۔ میں یہاں اپنا نام لکھ دیتا ہوں؟“

عادل نے خوشی سے اپنی کاپی واپس لی۔ نہ جانے کون سی زبان میں نام لکھا تھا، اور لکھنے میں بھی کتنی مشکل ہوئی تھی جیسے بادشاہ نے کبھی پنسل پکڑی ہی نہ ہو۔

”خدا حافظ، میرے چلنے کا وقت ہوا۔ انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔“ یہ کہنا تھا کہ اچانک اندھیرا چھا گیا، سبھی بتیاں بجھ گئیں۔عادل سمجھ گیا کہ روز کی طرح آج بھی بجلی جانے کا وقت ہوچکا اور اس کے گھر جانے کا بھی۔ چاند کی روشنی میں، جو لمحہ بھر کے لئے چھپ کر پھر نکل آیا تھا، اس نے بادشاہ کو خدا حافظ کہنا چاہامگر اس کا نام و نشان نہ تھا۔ اچانک جیسے وہ آیا تھا، ویسے ہی چلا بھی گیا۔

عادل گھر پہنچا تو بجلی واپس آچکی تھی۔ اُبّا اپنی کرسی پہ بیٹھے کوئی پرانی کتاب دیکھ رہے تھے۔

''آگئے؟ اچھا ہوا، میں ابھی جیسّی کو فون کرنے والا تھا۔ اب کیسا مزاج ہے؟'' اُبّا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''اُبّا، مجھے آپ کو کچھ دکھانا ہے اور ایک قصّہ بھی سناناہے۔''

یہ سن کر علی مصلیار نے عادل کی بنائی تصویر بھی دیکھی اور اسکے نیچے کے حروف بھی۔ ان کی پیشانی پہ بل پڑے دیکھ کر عادل نے پوچھا، ''کیا بات ہے، آپ جانتے ہیں یہ زبان؟''

''ذرا وہ کتاب اِدھر دینا، جو میں پڑھ رہا تھا۔'' یہ وہی 'بابر نامہ' کا ترجمہ تھا، جس کا ذکر وہ عادل سے کر چکے تھے۔ پہلا صفحہ کھول کر انہوں نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کیا اور بیٹے سے پوچھا، '' پہچانو کون ہے؟''

عادل سکتہ میں آگیا۔ وہی ریشمی چوغہ، وہی آنکھیں، اور نام؟

''ظہیرالدین محمد بابر پادشاہ غازی۔'' عادل کو کچھ نہ سُوجھا کہ وہ کیا کہے۔ اس کے اُبّا کہہ رہے تھے، ''یہ زبان چغتائی ترکی ہوسکتی ہے، دیکھو یہ....'' لیکن عادل اب بھی کتاب میں چھپی پینٹنگ کو دیکھ رہا تھا۔

آرٹ: کاتیائینی داش

دیر رات تک وہ سونہ سکا۔ خوشی کے مارے اس کی آنکھ ہی نہ لگتی۔ اپنے دوستوں سے وہ کچھ نہ کہے گا۔ اس نے تہہ کرلیا۔ اب وہ کاپی بھی گھر ہی رہے گی، جس میں بادشاہ بابر کی تصویر اس نے اپنے ہاتھوں سے بنائی تھی! اسے بادشاہ کی ایک بات یاد آئی، جھٹ سے اس نے کاپی کھولی اور اس کے ایک صفحہ پر لکھنا شروع کیا،

''میرا دوست، بادشاہ۔''

مولکے

ریکھا راج

آرٹ
کے. پی. ریجی

ترجمہ
اسماء رشید

سیریز ایڈیٹر
دیپتا آچار

اُردو ایڈیٹرز
اسماء رشید اور ایم. اے. معید

جمعرات کا دن تھا۔ متھائی اپچن کو یاد آیا کہ جمعرات کو بازار لگتا ہے۔ آج مزدور عورتوں کو کھیت پر بھیج کر وہ بازار جائیں گے۔ اس دفعہ وہ کریلے اور بنیں، دونوں کے بیج خریدیں گے۔ پچھلی بار ترکاری کے بیج راکھ سے صاف کرکے، دھوپ میں اچھی طرح سُکھا کر احتیاط سے رکھے تھے۔ پھر بھی چوہے بیج کھا گئے۔

''بچّے اب اپنی ماں کو کھیتوں پر کام کرنے نہیں دیتے۔ اب وہ اِن چیزوں کی بہتر دیکھ بھال کر لے گی،'' انہوں نے سوچا۔''میں 'چنگم' کے ماہ میں پچھتر کا ہوگیا۔ انّا بھی میری ہی عمر کی ہوگی۔ زندگی کیسے پلٹیاں کھاتی ہے!اک دور وہ تھا جب میری بیوی کو اتنی کڑی مزدوری کرنی پڑتی تھی کہ اکثر شام کے سات بجے سے پہلے کھیتوں سے نہیں لوٹتی تھی۔ خیر، اچّھاہی ہوا ہم نے بچّو ں کو پڑھایا، لکھایا۔ بچّوں نے نوکریاں ڈھونڈ لیں اور اب اسی وجہ سے ہمارے پاس کھانے اورپہننے کے لئے کچھ تو ہے۔'' متھائی اِنہیں خیالوں میں گم چلتا گیا۔

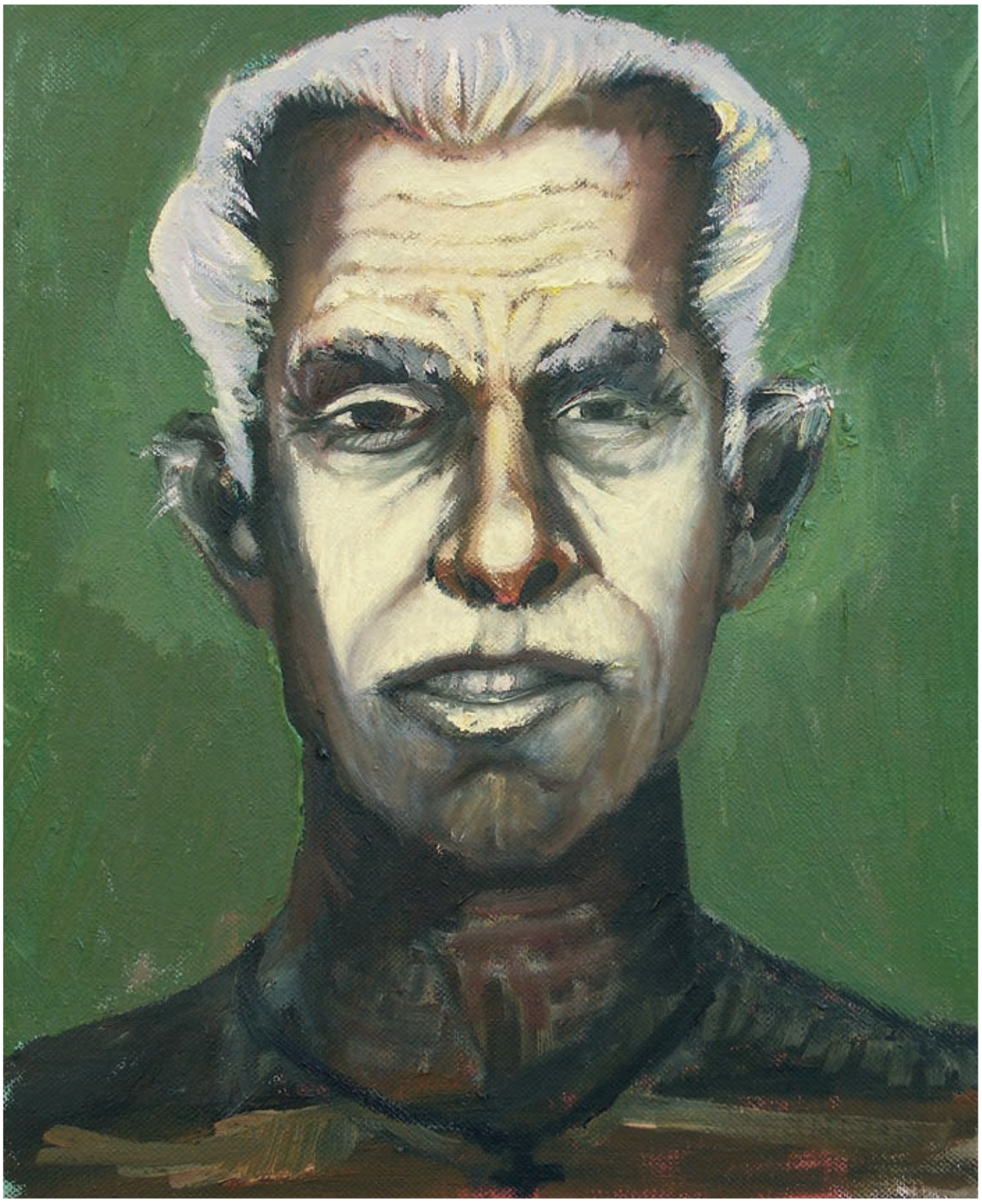

پھراسے خیال آیا کہ مزدور اب تک کھیت پہنچے یا نہیں۔ وہ سب انّا کی دوست یا ان کے بچّے تھے۔ جب متھائی اپنی زمین کے بارے میں سوچنے لگتا، تو اس کے پیٹ میں اک عجیب سی ہلچل شروع ہوجاتی۔ اس نے ساری زندگی مختلف زمینداروں کی پچاسوں ایکڑ زمینوں کی نِگرانی کرتے گزاری تھی۔ یہی اس کا کام تھا: زمینداروں، انکے بچّوں اور ان کے کھیتوں کی دیکھ بھال کرنا۔

وہ محنت تو بہت کرتا تھا پر اپنے لئے کبھی کچھ بچاکر نہیں رکھ پایا۔''ایسی محنت کا کیا فائدہ؟ دن رات گھس گھس کر بھی بچے کچے دھان سے پیٹ بھرو،'' انّا بڑبڑاتی۔ ان کی سب سے چھوٹی بیٹی کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ آ جاتی۔ کھیت کھلیان میں بچے کُچے دانوں پر نگران کار کا حق بنتا تھا۔ فصل کے بعد وہ اور اس کے گھر والے یہی دانے چُنتے تھے۔ دھان کے دانوں میں ریت اورمٹی ملی ہوئی ہوتی اور وہ اچھے معیار کے بھی نہیں ہوتے۔

جو بھی ہو، متھائی جانتا تھاکہ اگر یہ کام نہیں ہوتا تو وہ اور اُس کی بیوی کسی ماپلا زمیندار کی غُلامی کرنے پر مجبور ہوجاتے۔ نگرانکار کا پھر بھی کچھ تو رُتبہ تھا۔ اس وقار کے بِنا پر وہ ایّنکالی مجلس قائم کرپایا تھا۔ مجلس میں آئے ایک تعلیم یافتہ شخص کے مشورے پر ہی متھائی نے اپنے بچّوں کو پڑھانا شروع کیا تھا۔''اسی لئے تو اب ہمارا لڑکا ہمیں کچھ پیسے دے سکتا ہے۔ اس چھوٹی موٹی اضافی آمدنی سے میں کم سے کم تاڑی کا ایک گلاس تو پی لیتا ہوں۔انّا حمدکے گیتوں کی کتاب خرید سکتی ہے۔ ارے اب تو وہ ململ کے کپڑے پہن سکتی ہے!'' کھیت کے قریب پہنچ کر ہی متھائی کے خیالوں کی ڈور ٹوٹی۔

پچھلے ہفتہ ہی ہل چلاکر متھائی کا کھیت جوتا گیا تھا۔ جب ہل چلانے کوئی مزدور نہیں ملا تو وہ خود ہی کھیت میں کود پڑا۔ ایک دوست اس کے ساتھ ہوگیا۔چار دن گھٹنوں تک گہرے پانی میں وہ مسلسل ہل جوتتے رہے۔ باپ رے باپ! کیسی محنت لگی تھی۔ کچھ دوری پر چاول سے پانی نتھار رہی انّا ان کی آوازیں سن رہی تھی۔''ٹر۔ او۔ٹرا۔ ٹٹ۔ٹر۔را۔ٹر۔او۔'' اور بھینسیں اپنے جوش میں بڑھے چلی جا رہی تھیں۔

آج کھیتوں کو تیار کرنا تھا۔ عورتیں زمین کو صاف ستھرا کرکے، جنگلی گھاس نکال کر مٹّی کو بیج بونے کے لئے تیار کریں گی۔ نوکری ملنے کے تین چار سال بعد متھائی کے بیٹے نے یہ کھیت خریدا تھا۔ متھائی کا یہ پرانا خواب تھا کہ وہ بھی اپنی کچھ زمین کا مالک بنے جس پر وہ اپنی مرضی سے کچھ اگائے۔ کھیت خریدنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔گو کہ وہ دام دے رہا تھا، پھر بھی اسے زمینداروں کے آگے رونا گڑگڑانا پڑا، بھیک مانگنا پڑا کہ اسے وہ دیڑھ ایکڑ زمین خریدنے کی اجازت دے دی جائے۔

جس روز زمین متھائی کے نام رجسٹر ہوئی وہ ساری رات روتا رہا۔ اپنے باپ دادا کی روحوں کو آواز دیتا رہا۔ ''اے میرے بزرگو، آپ نے مجھے اتنی بڑی دعا دی ہے۔ اِن کھیتوں کو میں نے اپنے خون پسینے سے سینچا ہے۔ اورآج آپ کی دعا سے مجھے ان کھیتوں کاایک کونا میسّر ہوا ہے۔ میں ہر سال آپ کے نام سے چڑھاوا ضرور پیش کروں گا۔''

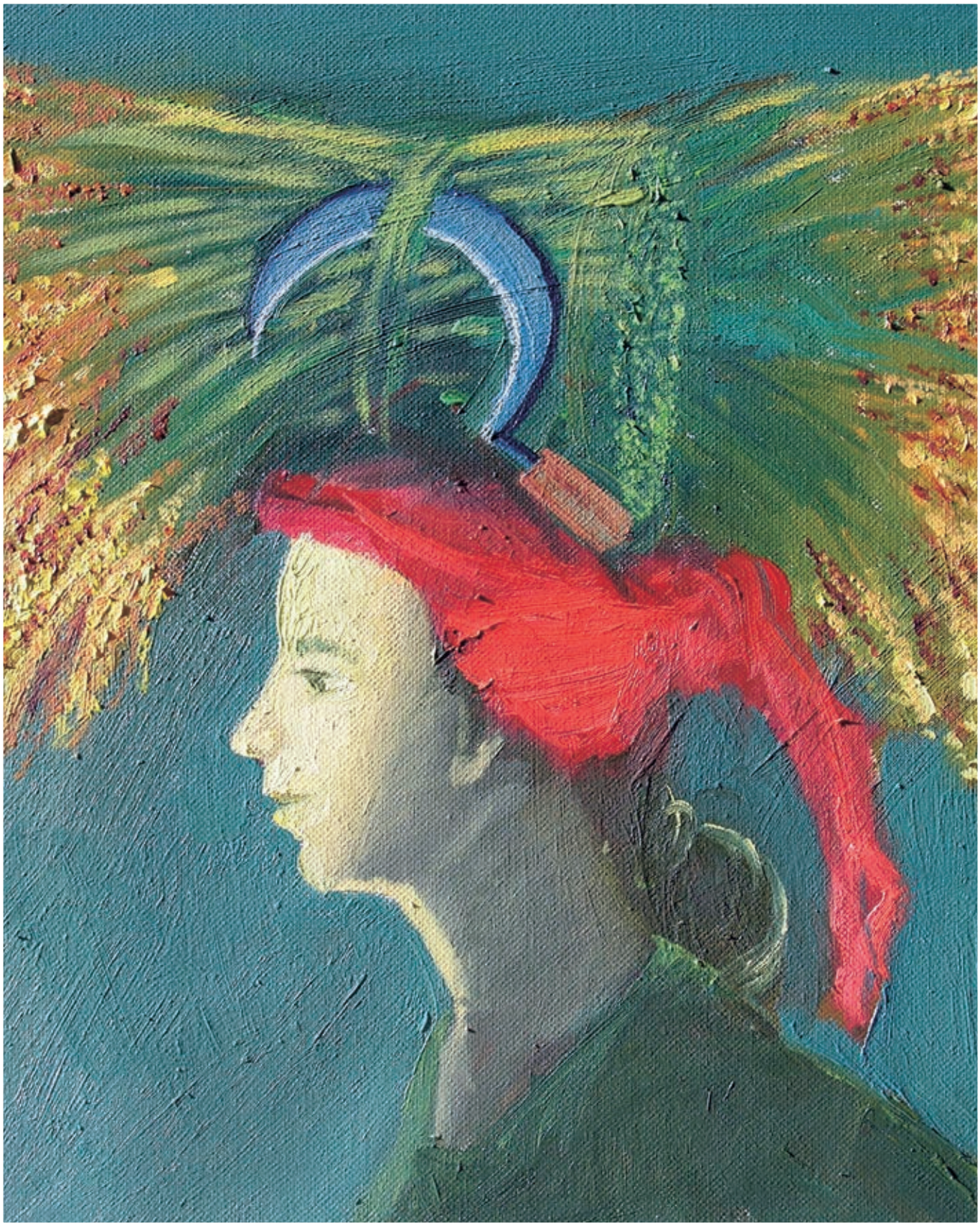

پچھلے دن ہی کھیتوں سے پانی سکھایا گیا تھا۔ متھائی قبرستان سے لوٹ ہی رہا تھا جب ویلمبن نے اسے مطلع کیا: زراعت کمیٹی نے نہر کے بند کھول کر کھیتوں میں پانی چھوڑنے کافیصلہ لیا ہے۔ کچھ ہی دنوں کی بات ہے۔ متھائی سمجھ گیا کہ اسے فوراً بیجوں سے پھوٹ رہے ننھے پودوں کو منتقل کرنا ہوگا۔ اس نے اپنے مزدوروں سے مل کر اجرت کی بات طئے کی اور دوسرے ضروری انتظام میں لگ گیا۔

پہلے، پچھلے سال کی فصل سے نکلے بیجوں کو بھگو کر بونے کے لئے تیار کرنا تھا۔ بزرگوں کی روحوں کے لئے مرغ اور تاڑی کے چڑھاوے پیش کرنے تھے۔ چرچ کے لئے آدھا تھیلا بیج اور برادری کے دیوتا کے لئے قربانی بھی دینی تھی۔ اس کے بعد ہی بونے کا کام شروع کیا جاسکتا تھا۔ رات کو کانپتے ہاتھوں سے اس نے بیجوں کو بھگویا۔ اس کے سارے جسم میں جیسے بجلی کوند رہی تھی۔

پلک جھپکتے ہی اسے ماں باپ اور چچّا نظر آنے لگے۔ اور اس کی چھوٹی پھوپھو۔ راحیل یا پونمّاں؟ کس نے اسکا ہاتھ پکڑا تھا؟ یاد نہیں رہا۔ رہتابھی کیسے۔دس اور بارہ کی عمر میں ہی دونوں ڈوب کر مرگئے تھے۔ وہ تو تین برس کا ہی تھا لیکن ان کے ہرے اورنیلے کپڑے ابھی بھی اُس کی آنکھوں میں گھوم رہے تھے۔

اُن کی زمین بزرگوں کی دعاؤں سے زرخیز ہوگئی تھی۔ تین دن میں ہی بیجوں میں کونپل آنے لگے۔ شاید بزرگوں کی شفیق روحیں ان کے اردگرد منڈلا رہی تھیں۔ اتّا نیند میں کسی کو کوسنے لگی۔ عورتوں نے کھیت تیار کردیے تھے۔ متھائی اور سُکّو نے اپنے ہاتھوں سے ننھے مولکے کھیت میں بوئے۔ کھیت کے ایک کونے میں تازہ مولکے مندر کے دیے، نئے چاند اور صلیب کی شکل میں لہرارہے تھے۔ اس نے ٹھان لیا تھا کہ وہ سب سے پہلے کام ختم کرلے گا۔

مگر سارے زمیندارغصّہ میں لال پیلے ہورہے تھے۔ اپنے کھیت کے کام میں متھائی نے ان کے کھیتوں کی نگرانی جو چھوڑ دی تھی۔ عورتوں کوانہوں نے دھمکی دی، ''جوکوئی اس پُلایا کے کھیت کو ہاتھ لگائے گااُسے ہمارے پاس کام کرنے کی ضرورت نہیں۔''

اِس دھمکی کے بعد کوئی مزدور اس کے کھیت پر آنے کی جرأت کرتا؟ وہ بھی اتنے چھوٹے سے کھیت کے لئے؟ پر متھائی ہارماننے کو تیار نہ تھا۔اُس نے سوچا ''جوہوگا دیکھا جائے گا۔''

کھیتوں پر چڑیاں منڈلاتے ہوئے بیج سے ابھررہے ننھے مولکوں کی تاک میں تھے۔ متھائی اور اس کے ناتن سارا دن بیٹھے چڑیوں کو بھگاتے رہے۔ جب چڑیاں قریب آتے، وہ ناریل کی شاخوں کو زمین پر دے مارتے، ''پھٹ،پھٹ'' اور چڑیاں پُھر ہوجاتے۔

مولکے اب پھٹ کر بڑے ہورہے ہیں۔ انّا بُخار سے کمزور پڑی ہوئی ہے۔ زمینداروں کا غصّہ دن بہ دن بڑھتا جارہا تھا اور وہ متھائی کو بلاوجہ پریشان کرنے لگے تھے۔ پانی کابہاؤ اپنے کھیتوں میں موڑ کر نہرکے پانی کو متھائی کے کھیت میں آنے سے روک رہے تھے اوراس کے لئے دشواریاں پیدا کررہے تھے۔

آخرکار، متھائی اس قدرہراساں ہوگیا کہ اسے لگا اس کے دوست بھی زمینداروں کی طرف ہوگئے ہیں۔ مُٹّھی بھر مٹّی اپنے سینے سے لگاکر بلک اٹھا، ''اے ماں! میرا ساتھ مت چھوڑنا۔ میں نے کبھی تیری حق تلفی نہیں کی ہے۔ اس کھیت میں میرا خون بہہ رہا ہے ایسے وقت میں مجھے اپنے قریب کرلے، میری حفاظت کر۔''

دوسرے کھیتوں میں دھان کے مولکے منتقل کئے جاچکے تھے۔ صرف متھائی کے کھیت میں گھٹنوں تک اونچے پودے ویسے ہی کھڑے تھے۔ انہیں دوسری جگہ بونے کے لئے متھائی کو ایک بھی مزدور نہیں مل رہا تھا۔ زمینداروں نے منع جو کردیا تھا۔ اب وہ کس سے مدد مانگتا؟

جنوب میں واقع قبرستان کی طرف دیکھ کر متھائی اپنا سینا پیٹ رہا تھا۔ اس کے بزرگوں کے سائے وہاں غمزدہ گھوم رہے تھے۔

''اے میرے خدا! یاد رکھ یہ میرے بیٹے کی کمائی ہے۔ میرا اپنا کھیت ہے۔'' مجبور اور پریشان متھائی کے منہ سے بوجھل آہ نکلی۔ مولکوں کو منتقل کرنے میں دیر ہوہی چکی تھی۔ اب کون تھا جو ان کی مدد کو آتا؟ اس کا بیٹا بھی کچھ عرصہ سے ملنے نہیں آپایا تھا۔

''انّا! اٹھو انّا۔ چلو ہم ہی دھان کے پودوں کو منتقل کرتے ہیں۔ ورنہ وہ لوگ کھیت میں پانی چھوڑدیں گے اور ہمارے پودے سڑجائیں گے۔'' متھائی نے انّا کو آواز دی۔''میراپیسہ۔ میرا خواب۔ میری زمین۔ بابا! ماں! ہم کو ہمت دو۔ قبرستان کے دیے، میری آبرو رکھ لو۔'' متھائی قبرستان کی طرف مڑ کر رو دیا۔

بخار میں تپتی انّا اپنے آپ کو مشکل سے باورچی خانے میں لے گئی۔ اک مرغا اٹھاکر مغرب کی طرف موجود ارتونگل چرچ کا رخ کیا اورگڑگڑائی ''میں اس سال چرچ میں اس مرغے کی قربانی دوں گی۔میرے آدمی کو ایسے مت تڑپاؤ۔''

اگلے روز، علی الصبح انّا کئی سال بعد کھیت میں پھر سے کام کرنے گئی۔ متھائی نے کھیت کے بند ٹھیک کئے۔ایک چھوٹے سے بچّے نے انّا کی مددکی۔ پھر بھی دیر رات تک وہ کام مکمل نہیں کرپائے۔ انّا کھیت میں گرگئی۔''انّا اپنے آپ کو سنبھالو، انّا کام ختم کرنا ہے۔'' متھائی پاگل سا ہورہا تھا۔ ضائع فصل... مرجھائے خواب....

کل وہ پانی کی نہر کھول دیں گے اورکھیت برباد ہو جائیں گے۔ آنگن میں ٹہل رہا متھائی، بے چینی سے اپنا سینا ملتا رہا۔ انّا اندر بی بی مریم سے عاجزی کرتی رہی، مُرمُرے، پھول اور گُڑ کے چڑھاوے کا وعدہ کرتی رہی۔

متھائی کو بہت غصّہ آرہا تھا۔''یہ کھیت میرے بچّے کے خون پسینے کی کمائی سے خریدا گیا ہے۔ ویسے بھی یہ کھیت میرا ہے۔ بھلے ہی پہلے کوئی اور اس کا مالک رہا ہو، پرسالوں سے میری کڑی محنت نے اس زمین کو سینچا ہے۔ میرے بزرگو! کیا تم سب نے اس زمین پر محنت کرتے کرتے اپنی جان نہیں دی؟ کیا تم مجھے آزما رہے ہو؟ اگر یہ بات ہے تو آج کے بعد میں بھی تمہیں کوئی چڑھاواپیش نہیں کروں گا!''

قبرستان کا دیا ابھی بجھا نہیں تھا۔

متھائی ساری رات سونہیں پایا۔ کیوں نہ ایک بار پھر سے کھیت کو دیکھ آؤں، اس نے سوچا۔ کل تک تو ویسے بھی سب کچھ ختم ہوجائے گا۔ انّا کو بنا بتائے وہ اپنے کھیت کی طرف نکل پڑا۔ اندھیرے میں ایک اُلّو نے تین بار ہوک لگائی۔ سرپرپرندوں کاایک جھنڈ منڈلانے لگا۔ صبح ہونے کو ہی تھی۔ ''وہ کیسی آواز ہے؟'' متھائی غور سے سننے لگا۔ ''ایک سرگوشی سی ہے... جیسے بہت سارے لوگ آپس میں بات کررہے ہوں۔''

اپنے قدم اور تیز کرتے ہوئے، کھیت کی منڈیر سے گزر کر متھائی اندھیرے میں تاڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ آوازیں اس کے کھیت ہی سے آرہی تھیں۔ ''اے پروردگار! میرا کھیت... لوگوں سے بھرا ہوا... جیسے کوئی عید ہو۔ اوردیکھو! بہت ساری عورتیں ہیں! صرف ایک دو مرد ہیں۔ وہ منڈیر کی مرمت کررہے ہیں۔ یا میرے مولا! یہ کچھ عورتیں تو نو مہینے کی حاملہ ہیں۔ ان کے پیٹ اتنے بڑے ہیں، بونے کو جھکیں تو لگتا ہے پیٹ زمین کو چھورہے ہیں۔ یہ عورتیں میرے کھیت میں کیا کررہی ہیں؟''

''اور یہاں کچھ بچّے بھی ہیں...کس کے بچّے ہو سکتے ہیں؟ یہاں تو بہت بوڑھی عورتیں بھی ہیں۔ سب کام میں لگیں ہیں۔دھان کے موکلے منتقل کرکے بورہی ہیں۔ ایک قطار مکمل ہونے پر کس قدر تھکے ہارے یہ اپنے آپ کو گھسیٹ کر آگے بڑھ رہی ہیں...میرے خدا! یہ لوگ تو قبرستان کی طرف جارہے ہیں!''

متھائی دیکھتا رہا، آخر میں تھکان سے بوجھل لڑکھڑاتی عورتیں، بُھدکتے بچّے، کھانستے اور کف تھوکتے مرد سب قبرستان کی طرف چل کرغائب ہوگئے۔ دھان کے سارے موکلے پھر سے بودیئے گئے تھے۔ تھرتھر کانپتا متھائی گھوم کر اپنے گھر کی طرف سر پٹ دوڑ پڑا۔

انّا کو آواز دیتے دیتے وہ وہیں پر ڈھیر ہوگیا۔

تاریخ کے سائے TAREEQ KE SAAYE

میرا دوست، بادشاہ
اصل کہانی (انگریزی): شیفالی جھا
آرٹ: چِنّن
ترجمہ(انگریزی سے اُردو): شیفالی جھا

مولکے
اصل کہانی (ملیالم): ریکھا راج
آرٹ: کے. پی. ریجی
ترجمہ(انگریزی سے اُردو): اسماء رشید

ڈیزائن: کنک ششی
سیریز ایڈیٹر: دیپتا آچار
اُردو ایڈیٹرز: اسماء رشید اور ایم. اے.معید
ڈفرنٹ ٹیلز ٹیم: کے.للیتا، ڈی.وسنتہ، جیاشری کلاتل، اوما بروگھوبنڈا، شکنیہ کنارلی اور سُوزی تھارو۔

Anveshi ڈفرنٹ ٹیلز : پسماندہ ثقافتوں و علاقائی زبانوں کی کہانیاں انویشی ریسرچ سینٹر فار ومنزاسٹڈیز، حیدرآباد، کی ایک پہل۔

(c) انویشی: کہانی، آرٹ اور ڈیزائن

پہلا ایڈیشن: 2025 جنوری (1000 کاپیاں)
کاغذ: 100 جی ایس ایم میٹ آرٹ اور 220 جی ایس ایم پیپر بورڈ(کور)
ISBN: 978-93-48176-95-0
قیمت: ₹ 100.00

ناشر : ایکلویا فاؤنڈیشن
جمنا لال بجاج پریسر
جنگھیڈی، بھوپال - 462026 (مدھیہ پردیش)
books@eklavya.in / www.eklavya.in

انویشی ریسرچ سینٹر فار ومنزاسٹڈیز
2-2-18/2/A
دُرگا بائی دیش مکھ کالونی، حیدرآباد - 500007 (تلنگانہ)
anveshirc@gmail.com ; www.anveshi.org.in

پرنٹر : آر.کے.سیکیوپرنٹ پرائیویٹ لمیٹڈ، بھوپال، فون نمبر: 2687589 755 91+

List of titles

Urdu

Chataai Aur Nani, Tum Roz Qat Likhna
School Ki Ankahi Kahaniyan
Tareeq Ke Saaye
Ghade Mein Chand
Tataki Phir Jeet Gayi Aur Shabaash Badeyya
Boriwala
Sire Paye Ka Saalan
Ek Ladka Do Naam Aur Shaija Ki Khalai Duniya
Maa

English

Head Curry
Moon in the Pot
Mother
The Sackclothman
Spirits from History
Tataki Wins Again & Braveheart Badeyya
Untold School Stories
The Two Named Boy & Other Stories
The Mat And Write Every Day, Ajji!

These books have also been published in Telugu, Malayalam, Hindi and Kannada.

"تاریخ مجھے پسند نہیں کرتی۔" کیا عادل کا پُراسرار دوست، جو اُسے مسجد کے پاس ملا تھا، اِس عجیب مسئلے میں اُس کی مدد کرسکتا ہے؟

—میرا دوست، بادشاہ

متھائی کی مایوسی بڑھتی جارہی ہے۔ کھیت میں سہی وقت پہ موکلے بونے کے لئے کون اُس کی مدد کریگا؟ اِس سوال کا جواب بالکل غیر متوقع سمت سے آتا ہے۔

—موکلے

چاہے وہ الفاظ میں ہو یا تصویروں میں، موجودہ بچّوں کا ادب متوسط طبقے کے بچّوں کی زندگی و دنیا کو نمایاں کرتا ہے۔ "ڈفرنٹ ٹیلز" کی کہانیاں بچّوں کے ادب کے اِس محدود دائرے سے نکل کر مختلف طبقات، ذات، مذہبی ثقافتوں اور جسمانی صلاحیتوں کے جانباز بچّوں سے ہماری ملاقات کرواتی ہیں۔ یہ کہانیاں نئے نظاروں، خوشبوؤں، آوازوں، خوشیوں اور غموں سے بھری ہیں اورایک مشترک و جامعہ ہندوستان کے لیے حقیقی دین ہیں۔

— سُوزی تھارو

اِسکالر، مصنفہ اور خواتین کی تحریک کی کارکن

Price: ₹ 100.00

9 789348 176950

Anveshi eklavya

DIFFERENT TALES

"ڈفرنٹ ٹیلز" علاقائی زبانوں سے ایسی کہانیاں پیش کرتی ہیں جن کے بارے میں بچّوں کی کتابوں میں شاذ و نادر ہی پڑھا جاتاہے۔ ان میں سے بہت سی کہانیاں مصنف کے اپنے بچپن کی تصاویر ہیں جو اکثر مختلف ثقافتی دنیا میں پرورش پانے، ساتھیوں، والدین اور دیگر بالغوں کے ساتھ نئے تعلقات تلاش کرنے کے الگ الگ طریقوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ یہ ہمیں لذیذ پکوانوں، منفرد کھیلوں، اسکول میں غیر متوقع اسباق، خلوص اور دوستی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے دلکش سفر پر لے جاتی ہیں۔